قسط ششم :-

واقعاتِ سیرتِ نبویؐ میں توقیتی تضاد اور اُس کا حل

از

جناب مولوی اسحٰق النبی صاحب علوی رام پور

مقالہ چہارم

زیرِ نظر مقالہ میری کتاب "حل التضاد" کا حصہ دوم ہے، گذشتہ مقالوں میں جو نظریہ پیش کیا جا چکا ہے۔ اس کو واقعاتِ سیرۃ پر منطبق کرنا ضروری تھا، اس حصے میں کچھ کم ستّر واقعات کی تاریخوں کی آزمائش کی گئی ہے، اور تعجب ہوتا ہے کہ گنتی کی چند تاریخوں کے علاوہ سب کی سب صحیح ثابت ہوئی ہیں۔ مسلمانوں کے اسلاف کا یہ ایک ایسا بے مثال کارنامہ ہے جس پر حیرت و استعجاب بھی ہوتا ہے، اور بے اختیار داد بھی نکلتی ہے، کیونکہ جس زمانے میں یہ واقعات قلمبند کئے جا رہے تھے، دنیا اس درجہ تاریکیِ شعور سے خالی تھی کہ چھوٹے سے چھوٹے واقعات تک کو موقّت کیا جائے۔

پھر تقریباً پونے چودہ سو سال سے یہ تاریخیں علیٰ حالہٖ چلی آ رہی ہیں، ان میں بیشتر ایسی تاریخیں ہیں جو متداولہ اصولوں پر صحیح ثابت نہیں ہوئی تھیں، جن پر اعتراضات کئے جاتے تھے، جن کو غلط قرار دیا جاتا تھا، لیکن علمائے اسلام کی دیانت کا تقاضہ یہ تھا کہ بلا کسی ادنیٰ کتر بیونت کے انہیں بجنسہٖ برقرار رکھا جائے چنانچہ یہ آج تک محفوظ ہیں۔

زیرِ نظر حصے میں اگرچہ ان پر سنہ وار پوری بحث کی گئی ہے جو تقریباً دو سو صفحات پر آئی ہے، لیکن بُرھان کے اوراق اس بات کے متقضی نہ تھے کہ یہ حصہ پورا شائع کیا جائے، کیونکہ پھر یہ سلسلہ کم سے کم مزید آٹھ دس قسطوں تک چلتا (جو میری ہمت سے باہر تھا) اس لئے میں نے یہ مناسب سمجھا کہ ہر سال کا کم سے کم

ایک واقعہ بجنسہٖ شائع کردیا جائے اور باقی واقعات کا اختصار یا ان کے متعلق اشارے پیش کردوں تاکہ قارئین کو اس نظریئے کے پرکھنے کا پورا موقع ملے، میں یہ چاہتا ہوں کہ کتاب شائع ہونے سے پہلے، یہ مسئلہ زیادہ سے زیادہ صاف ہوجائے ——————— (علوی)

مقالۂ چہارم

گزشتہ مباحث سے ہم اس نتیجہ پر پہونچ چکے ہیں کہ واقعاتِ سیرت پر دو دستاویزی کارفرمائی بدرجۂ اتم موجود ہے جس کے باعث واقعاتی توقیت اور ترتیب خاص طور پر متاثر ہوئی، اور علت و معلول کے اکثر سلسلے منقطع ہوگئے جو تاریخی واقعات کی تفہیم کے لئے سب سے ضروری شے تھے، بدیں وجہ ضرورت تھی کہ ان واقعات کو ازسرِنو مرتب کرکے پیش کیا جائے۔

اس مقصد کے لئے ایک طریقہ تو یہ اختیار کیا جاسکتا تھا کہ واقعاتی توقیت کے لحاظ سے پوری سیرۃ دوبارہ لکھی جائے، جو میری رائے میں ایک بالکل علیحدہ موضوع اور جداگانہ بحث ہے، کیونکہ موجودہ زمانے میں تاریخ نویسی کے زاویئے تبدیل ہوچکے ہیں، اور سب سے ضروری بات یہ سمجھی جاتی ہے، کہ ہر واقعے کی جانچ تقریباً انہیں اصولوں پر ہو جو علومِ طبیعیہ کے لئے ہم نے مقرر کئے ہیں، اور جس طرح طبیعات و کیمیا میں اشیاء کے خواص اور ان کے عمل اور ردِعمل سے نتائج نکالے جاتے ہیں، کم و بیش وہی طریقے تاریخی واقعات کو پیش کرتے وقت سامنے رہنا چاہئیں اور ان کے سلسلۂ علت و معلول، اور راثر و بازاثر پر نگاہ رکھنا ضروری ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر واقعہ خواہ کتنا ہی حقیر اور مختصر کیوں نہ ہو، نتیجہ ہوتا ہے بہت لمبے سلسلۂ واقعات کا جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں، اور جن کا مکمل احاطہ کسی طرح ممکن نہیں، تاہم ایک تاریخی واقعے کو سمجھنے کے لئے کم سے کم اس قدر ضروری ہے کہ حتی المقدور اس کا صحیح پس منظر اور پورا ماحول ہمارے سامنے ہو، اور اس کی اصلِ علت کا پتہ چل جائے، خاص طور پر پیغمبرِ اسلام کی سیرۃ کے لئے یہ سب سے ضروری بات ہے، کیوں کہ آپؐ کی ذاتِ گرامی سے وہ عظیم تحریک جس کو عرفِ عام میں "اسلام" کہا جاتا ہے، کچھ اس طرح وابستہ اور منسلک ہے کہ بلا اس تحریک کو سمجھے خود آپ کی شخصیت گم ہوجاتی ہے، اس لئے ایک سیرۃ نویس کا فرضِ اولین یہ ہوجاتا ہے کہ پہلے اس تحریک کے قدرتی عوامل اور محرکات پر غور کرے، اور یہ دیکھے کہ مشیتِ ایزدی نے اس تحریک کو عرب کے ریگ زاروں سے

کن حالات میں اٹھایا تھا، اور کم سے کم عہدِ جاہلیت کے سیاسی، اقتصادی، معاشی، مذہبی، اخلاقی اور تعلیمی حالات کے ساتھ ساتھ اسلام کی جنم بھومی کے جغرافیائی تقاضوں، اور عرب قوموں کی نسلی افتادِ طبیعت کا حتی المقدور جائزہ لے تاکہ اس زمانے کے ذہنی رجحانات، حیاتی کشمکش اور علمبرداران اسلام کی ذاتی صلاحیتوں کا اندازہ ہو سکے، اور دریافت کیا جا سکے کہ اس "الٰہی تحریک" کے بالکل ابتدائی اور فطری تقاضے کیا تھے، جو اس کے آناً فاناً فروغ اور قبولِ عام کا باعث بنے۔

انسانی تاریخ چونکہ ہر واقعے کی "مادی توجیہ" چاہتی ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ ہم پیغمبرِ اسلام کے حالاتِ زندگی کو ہاتھ لگانے کے اُس وقت تک مجاز نہیں جب تک ان کی مادی توجیہات ہمارے سامنے نہ ہوں اور ہم انکی روشنی میں اس "عظیم ترین انسان" کے ایک ایک حکم اور ایک ایک عمل کو نہ پرکھ سکیں۔

ظاہر ہے کہ یہ کام ایک علیحدہ فرصت اور کچھ نئے مقدمات کے بغیر ممکن نہیں۔

دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا جا سکتا تھا کہ آپؐ کی ابتدائے حیات سے آخر عمر تک کے حالات محض توقیتی ترتیب (CHRONOLOGECOL CRDER) کے ساتھ اس طرح پیش کر دیے جائیں کہ قارئین، کتبِ سیرت کو پیشِ نظر رکھ کر خود تاریخی نتائج نکال سکیں، لیکن بحیثیتِ مجموعی یہ کام اس سے بھی زیادہ مشکل بلکہ ایک طرح ناممکن ہے، کیونکہ سیرت یا تاریخ کی کتابوں میں ہجرت سے پہلے کے واقعات کی کوئی واضح توقیت نہیں ملتی، عہدِ ماقبلِ نبوت ایک طرف بعثت کے بعد کے حالات کی تاریخیں بھی محفوظ نہیں، اور تعجب ہوتا ہے کہ آپؐ کے مشن کا مکی حصہ جو بعض حیثیتوں سے انتہائی اہم ہے، توقیتی اعتبار سے بالکل تشنہ اور غیر واضح نظر آتا ہے، حالانکہ یہ حصہ وہی ہے جس کا ایک ایک لمحہ نظریاتی جنگ ذہنی کش کش اور فکری جدل کے ساتھ ساتھ اسلامی تحریک کی تدریجی مگر مضبوط نشو و نما میں صرف ہوا تھا، چنانچہ ہمیں نہیں معلوم کہ پیغمبرِ اسلام نے پہلی بار کس تاریخ تبلیغ شروع کی تھی؟ ابوبکرؓ اور دوسرے رفقاء کب اسلام لائے؟ بلالؓ اور ان جیسے اور غلاموں کو خرید کر آزاد کرا دینے کی کیا تاریخ تھی؟ جس سے عملاً پس ماندہ اور غریب طبقے کی ہمت افزائی ہوئی، اسی طرح ہم نہیں جانتے کہ مہاجرینِ حبشہ نے جب ہجرت کی تو وہ کون سا مہینہ تھا؟ یا اسلامی تحریک کے خلاف عمومی بائیکاٹ کا رزولیوشن کس تاریخ منظور یا ضبطِ تحریر میں آیا تھا؟ وعلیٰ ہذا القیاس تقریباً تمام دوسرے واقعات اسی طرح تشنۂ توقیت ہیں۔

مکّی عہد کا یہ توقیتی فقدان نقادانِ تاریخ کے لئے ایک نیا زاویۂ فکر پیش کرتا ہے، کیونکہ قدرتی طور پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اس فقدان کا بنیادی سبب کیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ تاریخِ اسلام میں جبکہ مدنی عہد کے چھوٹے سے چھوٹے واقعات بھی موقّت کئے گئے ہیں، مکّی دَور کے کسی بڑے سے بڑے اور اہم سے اہم واقعے کی تاریخ نہیں ملتی؟ یہ سوال حقیقۃً بہت زیادہ توجہ کا محتاج ہے، خاص طور پر تاریخِ اسلام کے "دوایسے" انتہا پسند "علماء" کیلئے جو کلیتہً اسلامی روایات کے تحریری ریکارڈوں کے قائل نہیں۔

ان میں سے پہلا گروہ ایسے نقادانِ تاریخ کا ہے جن کو شبہ ہے کہ یہ جملہ ریکارڈ زمانۂ مابعد کی جعل سازی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، اس کے مقابلے میں دوسرا گروہ ایسے خوش فہم علمائے اسلام کا ہے جن کے خیال میں اس قسم کی تمامتر توقیتی روایات محض عربوں کے غیر معمولی حافظے کا نتیجہ تھیں، اور جن کو مدونینِ سیرت نے سوا سو ڈیڑھ سو سال بعد پہلی بار ریکارڈ کرنا شروع کیا تھا'

متذکرہ بالا فقدان دونوں کیمپوں کو بیک وقت دعوتِ فکر دیتا ہے اور دریافت کرتا ہے کہ:

(ا) اگر یہ توقیتی صراحتیں فی الحقیقت مؤرخینِ اسلام کی جعل سازی تھیں تو کیا وجہ ہے کہ یہی جعل سازی مکّی عہد کے واقعات میں نظر نہیں آتی؟ سامنے کی بات ہے کہ جو لوگ مدنی عہد کے متعلق اس فعل کے مرتکب ہو سکتے تھے وہ مکّی دَور کو کس طرح تشنہ چھوڑ دیتے؟

(ب) اسی طرح علمائے اسلام سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر یہ توقیتی صراحتیں محض زبانی روایات، یا صحابہ اور تابعین کے عجیب و غریب حافظے کا نتیجہ تھیں تو یہی معجزہ مکی واقعات کے ذیل میں کیوں ناکام رہا؟ اور ان میں یہ صراحتیں کیوں موجود نہیں؟ وہی صحابی، وہی عربی حافظہ، وہی احکام اور واقعات سے لگن، مگر ان واقعات کی توقیت مفقود۔

ظاہر ہے کہ مکّی عہد کا یہ توقیتی فقدان مدنی عہد میں ایک خاص "مادی" تبدیلی کا پتہ دیتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ ہجرت کے فوراً بعد اسلامی تنظیم میں کوئی نہ کوئی "بنیادی ترقی" ضرور ہوئی تھی ـــــ ایک ایسی ترقی جو مکّی دَور میں موجود نہ تھی اور صرف مدینے جا کر پیدا ہوئی۔

میری رائے میں یہ ترقی مدینے کی شہری ریاست پر اسلام کے سیاسی اقتدار کی صورت میں پہلی بار رونما ہوئی۔

جو بہت جلد ایک باضابطہ مملکت یا باقاعدہ سلطنت میں تبدیل ہوتی چلی گئی، اور جس کے کارپردازوں اور متعلقین نے سرکاری، نیم سرکاری، اور نجی ضروریات کے لئے ان واقعات کو ریکارڈ کرنا شروع کیا، اس کا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ کتبِ تاریخ میں اکثر و بیشتر صرف ایسے واقعات کی تاریخیں ملتی ہیں جن کا تعلق سیاسی مہمات سے تھا۔

سیاسی اقتدار صحیح معنی میں "تاریخ گر" ہوتا ہے، وہ نہ صرف قوموں کی تاریخ پیدا کرتا ہے، بلکہ انکی زندگی میں وہ جملہ محاسن بھی پیدا کرتا چلا جاتا ہے، جن کی اس قوم کو ضرورت پڑتی ہے، خاص طور پر اس صورت میں جبکہ اس اقتدار کی پشت پر ایک ترقی پسند مقصد، اور آگے بڑھانے والی تحریک کارفرما ہوتی ہے۔

بظاہر یہی وجہ ہے کہ مدنی عہد کی تاریخ، توقیتی اعتبار سے جس درجہ مالامال ہے، مکی عہد اسی نسبت سے تہی دامن نظر آتا ہے، ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ہم پیغمبرِ اسلام کی زندگی کے ابتدائی ترپن ۵۳ سال کے حالات توقیتی تفصیلات کے ساتھ واضح طور پر نہیں دیکھ سکتے، بلکہ اس دور کے واقعات کا صرف تخمینی اندازہ لگایا جاتا ہے۔

اس کتاب کا موضوع چونکہ پیغمبرِ اسلام کی سیرت نہیں، بلکہ واقعاتِ سیرت میں جو بظاہر توقیتی تضادات نظر آتے ہیں، ان کا ایک حل پیش کرنا ہے، اس لئے میں نے صرف ایسے واقعات سے بحث کی ہے جن کی تاریخیں واضح طور پر متعین ہیں، اور جو کی تقویم فراموش کر دینے کی وجہ سے مشتبہ سمجھی جاتی تھیں، یہ تاریخیں واقعۂ ہجرت سے شروع ہوتی ہیں، اور آخر تک مسلسل چلی جاتی ہیں اس لئے میں نے کتاب کے اس حصے کی ابتدا واقعۂ ہجرت ہی سے کی ہے۔

اس حصے میں تمام واقعات (بجز ایسے واقعات کے جو ایک دوسرے سے متعلق ہیں) علیحدہ علیحدہ عنوانات کے تحت پیش کئے گئے ہیں مگر ان کی ایسی تمام تفصیلات چھوڑ دی گئی ہیں جن کا تعلق براہِ راست یا بالواسطہ توقیت سے نہ تھا، تاہم اس قسم کی تفصیلات کو برقرار رکھا گیا ہے جن کو اڑا دینے سے واقعے کی تاریخی نوعیت ختم ہو جاتی۔

واقعات بیان کرنے میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے، کہ ان کا معمولی تعارف مختصر الفاظ میں کرا دیا جائے اور کہیں ضرورت پیش آئی ہے تو واقعاتی تسلسل برقرار رکھنے کے لئے کسی قدر تفصیل سے بھی کام لیا گیا ہے۔ حتی الوسع اس بات کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ ایک واقعے سے دوسرے واقعہ کا جو تاریخی تعلق ہے وہ واضح ہوتا

چلا جائے تاکہ قارئین کو واقعاتی ترتیب کے سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

کتبِ سیرت میں بعض واقعات اس درجہ مختلف التوقیت نظر آتے ہیں کہ بظاہر ایک ایک دو دو سال کا فرق محسوس ہوتا ہے اور ان کی نسبت علماء تاریخ کی آراء بھی متضاد نظر آتی ہیں، اوّل تو بیشتر ایسے واقعات میں خود دو تقویمی نظریہ توازن پیدا کر دیتا ہے، لیکن اگر کہیں مزید تشریح کی ضرورت محسوس ہوئی ہے تو وہ بھی کر دی گئی ہے۔

تقریباً سو سوا سو (۱۲۵) چھوٹے بڑے واقعات میں سے جو سیرۃ کی مختلف کتابوں میں موقت نظر آتے ہیں فی الحال کچھ کم ستر واقعات انتخاب کر کے پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ ان پر اس "جدید نظریہ" کی آزمائش کی جا سکے، باقی واقعات کو اس لئے نہیں چھوڑا گیا ہے کہ وہ اس نظریہ کے خلاف شہادت دیتے بلکہ صرف اس لئے ترک کر دیئے گئے ہیں کہ یا تو ان پر دو تقویمی کارفرمائی کا پتہ نہیں چلا، یا یہ متعین نہیں ہو سکا کہ وہ کس تقویم کے مطابق ریکارڈ کئے گئے تھے،

تمام واقعات سنہ وار پیش کئے جا رہے ہیں، اور ہر سنہ کا ایک علیحدہ چارٹ بھی دیا جا رہا ہے جو مکّی اور مدنی دونوں تقویموں پر مشتمل ہے، یہ چارٹ اس طرح بنائے گئے ہیں کہ "مکّی" اور "مدنی" تقویموں کو پہلو بہ پہلو رکھ کر ان کے درمیان جولین (GULIN) کلینڈر رکھ دیا گیا ہے تاکہ ان دونوں میں جو تفاوت چل رہا تھا وہ بالکل واضح ہوتا چلا جائے، اور دریافت کیا جا سکے کہ کون سا "مکّی" مہینہ کس "مدنی" مہینے سے مطابق تھا، اور یہ دونوں مہینے عیسوی اعتبار سے کس تاریخ شروع ہوئے تھے، ساتھ ہی ان مہینوں کے پہلو میں واقعات کے عنوانات بھی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ قارئین کو ہر واقعے کی توقیتی آزمائش میں پوری سہولت رہے، اگر کسی واقعے کا ریکارڈ مکّی اور مدنی دونوں تقویموں کے بموجب ہوا تھا، تو چارٹ کے دونوں جانب اس کی بھی نشان دہی کر دی گئی ہے۔

کچھ واقعات ایسے بھی تلاش کئے گئے ہیں اور کئے جا رہے ہیں، جن کی تاریخیں ان دونوں تقویموں پر پوری نہیں اترتیں تاکہ اندازہ لگایا جا سکے کہ ان کا تناسب کیا ہے، اور کیا وجہ ہے کہ یہ غلط ثابت ہو رہی ہیں۔

بحیثیتِ مجموعی اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ قارئین کے پیشِ نظر اس مسئلہ کے جملہ پہلو آ جائیں، جن سے ایک قابلِ قبول تاریخ مرتب ہو سکے،

واقدی اور ابن سعد کے یہاں دو تین چھوٹے چھوٹے واقعات کے سنہ بظاہر غلط معلوم ہوتے ہیں جن پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے، ان واقعات کو میں نے فی الحال ترک کر دیا ہے۔

سنہ ۱، ۲

نوٹ :- ان جدولوں میں داہنی جانب مکّی تقویم ہے، بائیں جانب موجودہ سنہ اور ہجری مہینے ہیں درمیان میں جولین تاریخیں درج کی گئی ہیں، تاکہ دریافت کیا جاسکے کہ کون سا مہینہ کس تاریخ و یوم کو شروع ہورہا تھا۔ (مصنّف)

	مکّی	جولین تاریخ ایام وسٹنفیلڈ	مدنی ہجری
	محرّم	۱۳ر ستمبر سنہ ۶۲۲ دوشنبہ	ربیع الاوّل
	صفر	۱۳ر اکتوبر چہارشنبہ	ربیع الآخر
۱۲ر ربیع الاول دوشنبہ ہجرت	ربیع الاوّل	۱۱ر نومبر پنجشنبہ	جمادی الاولیٰ
	ربیع الآخر	۱۱ر دسمبر شنبہ	جمادی الاُخریٰ
	جمادی الاولیٰ	۹ر جنوری سنہ ۶۲۳ یکشنبہ	رجب
	جمادی الاُخریٰ	۸ر فروری سہ شنبہ	شعبان
	رجب	۹ر مارچ چہارشنبہ	رمضان
	شعبان	۸ر اپریل جمعہ	شوّال
	رمضان	۷ر مئی شنبہ	ذیقعدہ
	شوال	۶ر جون دوشنبہ	ذوالحجہ
	ذیقعدہ	۵ر جولائی سہ شنبہ	محرم سنہ ۲
	ذوالحجہ	۴ر اگست پنجشنبہ	صفر
	ذوالحجہ نسی	۲ر ستمبر جمعہ	ربیع الاوّل

ہجرت

ربیع الاول سنہ ۱

یہ واقعہ (غالباً) جمعہ ۲ ربیع الاول سنہ ۱ کا ہے[1] - کہ سرداران قریش نے مکّے کے "دار الندوۃ" (SENALE HOUSE) میں تمام شرفاءِ شہر کا ایک اجلاس طلب کیا، تاکہ اسلام اور داعیِ اسلام کے متعلق آخری اور قطعی فیصلہ کیا جا سکے[2]۔

اس اجلاس میں تقریباً ہر خاندان کے رئیس مثلاً ابو سفیان، ابو جہل، نضر بن حارث، اُمیہ بن خلف وغیرہ شریک تھے، بحث کا موضوع یہ تھا، کہ موجودہ صورتِ حال کو پیشِ نظر رکھ کر کیا تدبیریں اختیار کی جائیں، جن سے یہ نیا فتنہ (فتنۂ اسلام) دب سکے؟

کچھ لوگوں نے یہ رائے پیش کی، کہ داعیِ اسلام کو پابہ زنجیر کرکے حبسِ دوام کی سزا دی جائے[3]، اس کے مقابلہ میں دوسری رائے یہ تھی، کہ محض جلاوطنی کافی ہے، ایک تیسری رائے یہ تھی کہ آنحضرتؐ کو قتل کردیا جائے[4]- اس کا پیش کرنے والا ابو جہل تھا، جو قریش میں بڑے اثر و رسوخ کا مالک تھا، اہلِ مجلس نے اسی کی رائے سے اتفاق کرلیا۔

قبائلی زندگی میں ایک انسان کی جان، خود اس کی نہیں بلکہ اس کے قبیلے کی مقدس امانت سمجھی جاتی تھی، خطرہ یہ تھا کہ اس صورت میں نہ صرف بنوہاشم، بلکہ تمام بنو عبدِ مناف ایک ہو جائیں گے، اور مکّہ خانہ جنگی کا مرکز بن جائے گا، آخر طویل بحث و مباحثہ کے بعد اس پر اتفاق ہو گیا کہ ہر خاندان سے ایک ایک شخص چُن لیا جائے اور ان منتخب اشخاص کی پوری جمعیت قتل کی ذمّہ دار ہو[5]۔

---

[1] اس خیال کی تائید ابن سعد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے: وقد روی بعضهم انه قدم لیلتین خلتا من شهر ربیع الاول (ابن سعد ۲/۱، نیز دیکھئے واقدی ۲/۱) میری رائے میں اس روایت کے راوی اول کے ذہن میں ۲ ربیع الاول سے مراد وہ تاریخ تھی جس میں آنحضرتؐ نے مکّے کی بستی کو چھوڑ دیا تھا اور غارِ ثور میں پناہ لی تھی، ابن سعد نے صراحت کی ہے کہ آنحضرتؐ تین راتیں غارِ ثور میں پوشیدہ رہے اور ۵ ربیع الاول کو دوشنبے کی رات میں عازمِ مدینہ ہوئے تھے اس حساب سے غار میں ورود کی تاریخ ۲ ربیع الاول ہی آتی ہے۔ (دیکھئے ابن سعد ۲/۱)

[2] ۲/۱۲۴ [3] ابن سعد ۱۵۳/۱، ابن ہشام ۱۲۵/۲ [4] ابن سعد ۱۵۳/۱ طبری ۲۴۳/۲

[5] ابن سعد ۱۵۳/۱، ابن ہشام ۱۲۶/۲، طبری ۲۴۵/۲ -

پیغمبرِ اسلام کو دارالندوہ کے اجلاس کی نیت اور ارادے کا علم ہوا،[1] تو آپ نے دوپہر ہی سے اقامت گاہ خالی کر دی، حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ:-

"ہم دوپہر کو ابوبکر رضؓ کے گھر بیٹھے تھے کہ کسی نے اُن سے کہا کہ رسول اللہؐ چہرے پر مقنع ڈالے تشریف لاتے ہیں، حالانکہ معمولاً آپ اس وقت کبھی تشریف نہ لاتے"[2]

آپؐ نے آتے ہی، حضرت ابوبکر رضؓ سے تخلیے میں بات چیت کی، اور ہجرت کا ارادہ ظاہر فرمایا، تو وہ فوراً رفاقت کے لئے تیار ہو گئے،[3]

ابن اسحٰق کے بیان کے بموجب آنحضرتؐ اور ابوبکر رضؓ دونوں اسی وقت عقبی دروازے سے نکل گئے[4] (فخرجا من خوخۃ لابی بکر فی ظہر بیتہ) اور غارِ ثور میں پناہ لی، جو مکے سے جنوب میں ہے۔[5]

اِدھر قریش نے رات میں مکان کا محاصرہ کرلیا، اور آپؐ کی موجودگی کا یقین کرنے کے لئے اندر جھانک کر دیکھا، تو بستر خالی نہ تھا، صبح کو معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کی جگہ حضرت علی رضؓ بستر پر سوتے رہے تھے،[6] یہاں سے یہ لوگ دوڑے ہوئے ابوبکر رضؓ کے گھر گئے، وہ بھی نہ ملے تو یقین ہو گیا کہ دونوں ہجرت کر گئے، چوں کہ ابھی وقت کم گذرا تھا، اور گمان تھا کہ دونوں مکے کے قرب وجوار میں گرفتار کئے جاسکیں گے، اس لئے فوراً سو اونٹوں کے انعام کا اشتہار جاری ہوا،[7] اور لوگ تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

پیغمبرِ اسلامؐ اور ابوبکر رضؓ تین شبانہ روز "غارِ ثور" میں رہے،[8] ہر روز عبداللہ بن ابی بکر آتے اور اہلِ مکہ کی خبریں پہنچاتے، حتیٰ کہ ابوبکر رضؓ کے گھر سے کھانا بھی آتا، غارِ ثور میں اس سہ روزہ قیام کی بظاہر دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔

اوّلاً یہ کہ: رات کی تاریکی کچھ کم ہو جائے تاکہ چاندنی میں سفر آسان اور زیادہ سے زیادہ فاصلے تک ہو سکے، دوم یہ کہ قریش کے امکانی تعاقب کا خطرہ باقی نہ رہے۔

اربابِ سیرت لکھتے ہیں کہ پیغمبرِ اسلامؐ دوشنبے کی رات میں عازمِ مدینہ ہوئے تھے۔

---

[1] ابن سعد ۱/۱۵۳، ابن ہشام ۲/۱۲۶ [2] بخاری/ باب ہجرت النبی، [3] نیز دیکھئے یہی روایت ابن ہشام ۲/۱۲۹، [4] ابن ہشام ۲/۱۳۰، مقدسی ۴/۱۷۱، طبری ۲/۲۴۷ [5] MARGOLIOUTH RISE P 208

[6] ابن سعد ۱/۱۵۳، ۱۵۴، [7] ابن ہشام ۲/۱۲۶، [8] ابن ہشام ۲/۱۳۰، ابن سعد ۱/۱۶۰-

طبری کا بیان ہے :-

"آنحضرتؐ کا خروج، دوشنبے کا واقعہ ہے، اور مدینے میں ورود دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول کا واقعہ ہے"[۱]

اس حساب سے پہلا دوشنبہ ۵ ربیع الاول کو پڑتا ہے، چنانچہ ابن سعد نے صراحت کی ہے :-

"رسول اللہؐ کا خروج، دوشنبے کی رات میں ربیع الاول کی چار راتیں گذار کر ہوا"۔[۲]

تمام متقدمین کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ ۱۲ ربیع الاوّل سنہ کو دوشنبے کے دن واردِ قبا ہوئے تھے۔

ابن اسحٰق کا بیان ہے :

"رسول اللہؐ مدینے میں ۱۲ ربیع الاوّل کو دوشنبے کے روز تشریف لائے جبکہ دوپہر ہوچکا تھا، اور سورج سمت الراس پر تھا"[۳]

واقدی فرماتے ہیں :-

"رسول اللہؐ دوشنبے کے دن ۱۲ ربیع الاول کو مدینے پہنچے"[۴]

ابن سعد کے نزدیک یہ تاریخ مُجمع علیہ ہے :-

"اور آنحضرتؐ نے جب مکے سے ہجرت فرمائی تو آپ دوشنبے کے دن ۱۲ ربیع الاوّل کو مدینے پہنچے اور یہ تاریخ مجمع علیہ ہے"[۵]

چنانچہ مسعودی[۶]، مقدسی[۷] اور طبری[۸] وغیرہ تمام بڑے بڑے مصنفین نے اسی کو اختیار کیا ہے، حتیٰ کہ اکثر مستشرقین اور علمائے یورپ[۹] بھی اس سے انکار نہ کرسکے، شیعہ اکابر بھی اسی کو تسلیم کرتے ہیں[۱۰]

---

[۱] طبری ۲/۲۵۴، ابن ہشام ۲/، [۲] ابن سعد ۲/۲ نیز دیکھئے ابن سعد ۱/۱۵۷، [۳] ابن ہشام ۲/

[۴] واقدی ۲/ [۵] ابن سعد ۲/۲ [۶] التنبیہ والاشراف ۲۳۳/۳ [۷] البدوالتاریخ ۴/۱۷۷

[۸] طبری ۲/۲۵۴ [۹] ANDRAIS-THE MAN AND HIS FAITH P. 5 - MUIR LIFE TOV, MENTO GOMN P - MOHAMED THE PROPHET OF ALLAH P.61

[۱۰] کلینی ابواب التاریخ،

البتہ البیرونی اور اس کے بعد چند نئے مصنفینِ سیرت مثلاً مارگولیتھ (MARGOLIOUTH) [1] ایچ، جی ویلز (H.G.WELLS) [2] مولانا شبلی [3] وغیرہ کے نزدیک یہ تاریخ ۸ ربیع الاول مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء تھی، جس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے، کہ عام قمری حساب سے ۱۲ ربیع الاول ۱ھ کو دوشنبہ ممکن نہیں، خالص قمری تقویم کی جدولوں کے مطابق دوشنبے کا دن صرف ۸ ربیع الاول کو پڑتا ہے، اس لئے آج کل یہی تاریخ مقبول ہوتی جارہی ہے۔

مگر میرے نظریہ تقویم کے بموجب ۱۲ ربیع الاول ۱ھ کو دوشنبہ ہی کا دن تھا، کیوں کہ اس سال بھی ماہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ پنجشنبہ ۱۱ نومبر ۶۲۲ء کے مطابق تھی، جس کے حساب سے ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبے کا دن اور جولین (GULIAN) تاریخ ۲۲ نومبر ۶۲۲ء ہونا چاہئے، جو روایات کے عین مطابق ہے۔

یہاں مجھے پرسیوال (PERCVAL) کے نظریہ کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا ہے، جس کو پیشِ نظر رکھ کر سر ولیم میور نے اپنی گراں قدر کتاب لکھی ہے، کیوں کہ اس نظریہ کے بموجب بھی ۱۲ ربیع الاول ۱ھ کو دوشنبہ کا دن پڑتا ہے اور دھوکا ہوتا ہے کہ شاید یہ نظریہ صحیح ہے، لیکن جیسا کہ کہا جاچکا ہے اس میں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس نظریہ سے واقعاتِ سیرت کے موسم بالکل اُلٹے ہوجاتے ہیں، اسی واقعہ کو دیکھئے کہ یہ میور کے نزدیک ۲۸ جون ۶۲۲ء کا ہے [4] یعنی انتہائی موسمِ گرما کا، لیکن تمام کتبِ سیرت میں یہ روایت ملتی ہے، کہ ہجرت کی شب حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے بستر پر خود آنحضرتؐ کی اونی چادر (بُرد) اوڑھ کر سوئے تھے، [5] اس روایت کو میور نے بھی پوری آب و تاب سے بیان کیا ہے، حالانکہ ماہ جون میں مکہ کا موسم اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص معمولاً اونی کپڑے یا چادر اوڑھ کر سوسکے، روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ مدینے میں داخل ہوئے تو فصلِ خریف سمیٹی جارہی تھی، گو میری دانست میں موسم آخری ہو چلا تھا۔ [6]

---

[1] MARGOLIOUTH - RISE P. 212 [2] H.G.WELLS - OUT LINE P. 600

[3] سیرۃ النبی ۱/۲۷۷۔ [4] IT WAS MONDAY UUNE 28 AD 622 - MUIR - LIFE 168

[5] ابن ہشام ۲/۱۲۶، ابن سعد ۱/۱۵۴، طبری ۲/۲۴۳، ۲۴۴، [6] بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہؐ مدینے پہنچے تو عبد اللہ بن سلام ایک نخلستان میں فصلِ خریف چن رہے تھے، "وھو فی النخل لاھلہ یخترف لھم" باب ہجرۃ النبی، نیز دیکھئے ابن سعد ۱/۱۶۰

۱۲ ربیع الاول "قبا" میں آمد کی تاریخ ہے، جو حوالیٔ مدینہ میں ایک چھوٹی سی بستی تھی، یہاں انصار کے کئی خاندان آباد تھے، جن میں غالباً سب سے ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا، اس خاندان کے رئیس کلثوم بن ہدم تھے، جو مہاجرین کی پہلے سے میزبانی کر رہے تھے، آنحضرتؐ بھی یہیں مقیم ہوئے۔[1]

"قبا" میں اگرچہ آپؐ کی اقامت تقریباً دو ہفتے (چودہ راتیں "اربع عشر لیلۃ"[2]) رہی، جیسا کہ انس بن مالک کی روایت سے ثابت ہے، (یعنی تقریباً ۲۵ یا ۲۶ ربیع الاول تک) لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصے میں آپؐ شہر آتے جاتے رہے چنانچہ ۱۶ ربیع الاول کو جمعہ کے دن آپؐ نے خاص مدینے میں نماز ادا[3] فرمائی۔ اور پہلا خطبہ بنو سالم کے محلے میں دیا۔

مدینے میں جب تعمیر مسجد کا انتظام شروع ہوا، تو آنحضرتؐ ابو ایوبؓ کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ جہاں تقریباً سات مہینے قیام فرمایا۔

ذیل میں ان واقعات کی تاریخوں پر دوبارہ نظر ڈالئے!

۱- غار ثور کو روانگی، —— جمعہ ۲ ربیع الاول —— مطابق ۱۲ نومبر ۶۲۲ء

۲- غار میں سہ روزہ قیام —— جمعہ تا دوشنبہ ۲ تا ۵ ربیع " ۱۲ تا ۱۵ نومبر ۶۲۲ء

۳- قبا میں آمد —— دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول " ۲۲ نومبر ۶۲۲ء

۴- مدینہ میں نماز جمعہ —— جمعہ ۱۶ ربیع الاول —— " ۲۶ نومبر ۶۲۲ء

۵- مدینہ میں مستقل قیام —— یکشنبہ یا دوشنبہ ۲۵، ۲۶ ربیع " ۵ دسمبر ۶۲۲ء

مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ "چودہ دن کے بعد جمعہ کو آپؐ شہر کی طرف تشریف فرما ہوئے۔"[4] لیکن صحیح روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ "قبا" میں آنحضرتؐ کا ورود دوشنبے کو ہوا تھا، تو چودہ دن کے بعد پندرھویں دن پھر دوشنبہ ہی ہوگا، نہ کہ جمعہ، علاوہ ازیں مولانا نے یعقوبی سے ایک زائچہ بھی نقل کیا ہے، جو کسی طرح صحیح نہیں، اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ورود قبا کی صحیح تاریخ ۲۰ ستمبر ہے جس کو مولانا نے اختیار کیا ہے) تو بھی یہ زائچہ ٹھیک نہیں بیٹھتا، کیوں کہ

---

[1] ابن ہشام ۲/ طبری ۲/ [2] بخاری میں انس بن مالک سے روایت ہے۔

[3] ابن ہشام ۲/ [4] سیرۃ النبی ۱/ ۲۷۷

۲۰ ستمبر کو سورج برجِ میزان کے قریب ہوتا تھا، نہ کہ برج سرطان میں جیسا کہ اس زائچہ میں دکھایا گیا ہے۔

سنہ ۲، ۳

اصل کتاب میں اگرچہ اس سنہ کے مندرجہ ذیل واقعات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، مگر برہان میں صرف غزوہ ذات العشیرہ اور ابوا کی تفصیلات پر غور کیا جائے گا، باقی واقعات کی توقیت صرف مجملاً پیش کی جا رہی ہے۔

۱- **صومِ عاشورا** - بیان کیا جا چکا ہے کہ پیغمبرِ اسلام نے مدینہ پہنچکر عاشورے کے روزے کا حکم دیا تھا، یہ واقعہ بالبداہت ۲ سنہ کا ہے، ۱ سنہ کا نہیں، کیوں کہ آپؐ نے ربیع الاول ۱ سنہ میں ہجرت فرمائی تھی اور آپؐ کی ہجرت کے بعد پہلا یوم عاشورا محرم ۲ سنہ میں آیا تھا، (پوری تفصیلات کے لئے دیکھئے برہان / جولائی ۶۴ سنہ)

۲-۳- **غزوہ ذات العشیرہ + غزوۂ ابوا** دیکھئے صفحہ مقالہ ہذا۔

۴- **غزوۂ طلب کرز بن جابر فہری:** ابن اسحٰق کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ واقعہ جمادی الاخریٰ ۲ سنہ کا تھا، چنانچہ ابن حبیب نے اس کی تاریخ ۱۲ جمادی الاخریٰ ۲ سنہ ہی بیان کی ہے، بخلاف اس کے واقدی اور ابن سعد کے نزدیک یہ واقعہ ربیع الاول ۲ سنہ کا ہے، دو تقویمی جدول کی رو سے یہ دونوں مہینے متبادل ہیں، اس لئے ان روایات میں تضاد نہیں رہتا، ابن حبیب نے اس کی تاریخ بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ۱۲ جمادی کو دوشنبہ تھا، جو اگرچہ حسابی رو سے ۱۳ کو پڑتا ہے، مگر یہ ایک دن کا فرق، قابلِ لحاظ نہیں،

۵- **غزوۂ بواط:** اس غزوہ پر جانے کی تاریخ ابن حبیب کے موجودہ نسخے میں ۳ ربیع الآخر یوم دوشنبہ نظر آتی ہے مگر ساتھ ہی تاریخِ مراجعت دوشنبہ ۲۰ ربیع الآخر بیان کی گئی ہے، یہ دونوں تاریخیں آپس میں مطابقت نہیں کرتیں - اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاریخِ روانگی بجائے ۳ کے ۱۳ تھی، کیوں کہ ۲۰ کو جب دوشنبہ ہوگا تو اس سے پہلے صرف ۶ اور ۱۳ کو دوشنبہ ممکن ہے۔ (دیکھئے برہان ستمبر ۱۹۶۴ء) اس تاریخ میں بھی صرف ایک دن کا فرق محسوس ہوتا اور مکی تقویم کے بموجب ۱۲ کو دوشنبہ پڑتا ہے۔

۶- **تحویلِ قبلہ:** امام زہری نے اس واقعے کی تاریخ جمادیٰ بیان کی ہے مگر عام روایات میں شعبان ملتی ہے اس واقعے پر بھی دو تقویمی کارفرمائی کا احساس ہوتا ہے، چنانچہ ۲ سنہ میں مکی جمادیٰ مدنی شعبان کا متبادل مہینہ تھا۔

۷- **سریۂ عبداللہ بن جحش:** یہ واقعہ مکی رجب کا معلوم ہوتا ہے کیوں کہ روایات سے ثابت ہے کہ قریش کے

نزدیک یہ حرام مہینہ تھا جس کی خلاف ورزی پر انھوں نے سخت احتجاج کیا تھا، (دیکھئے قرآن

۸ - غزوۂ ینبع : ابن حبیب نے اس کی تاریخ پنجشنبہ ۲ر شعبان ۲ سنہ بیان کی ہے جو بالکل صحیح ثابت ہوئی ہے اور یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ مکی تقویم کے بموجب ریکارڈ ہوا تھا، (مقابلہ کیجئے برہان مئی/۲۸۶)

۹ - بنو غفار اور اسلم سے معاہدات : ابن حبیب نے بیان کیا ہے کہ ان معاہدات کے لئے پیغمبر اسلام سہ شنبہ ۱۴ر شعبان کو عازم سفر ہوئے تھے، مکی تقویم کے بموجب ۱۴ر شعبان ۲ سنہ کو سہ شنبہ ہی پڑتا ہے، اور یہ ریکارڈ یقیناً مکی ہے (مقابلہ کیجئے برہان مئی/۲۸۶)

۱۰ - غزوۂ بدر : اس غزوے کی مشہور تاریخ اگرچہ جمعہ ۱۷ر رمضان ہے مگر سیرۃ کی سب سے بڑی سند عروہ بن زبیر نے اس کی تاریخ ۱۶ر رمضان بھی بیان کی ہے (دُرِّ منثور ۳/۱۸) حسابی قاعدے سے رمضان کی پہلی اگرچہ جمعہ کو تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رواۃ کے نزدیک جمعرات کی پہلی تسلیم کی گئی تھی، جس کے اعتبار سے ۱۶ر رمضان کو جمعہ ہی پڑتا ہے، روایات سے اس غزوے کا موسم گرم ثابت ہوتا ہے، چونکہ مکی تقویم کے بموجب رمضان ۲ سنہ جون ۶۲۴ سنہ سے مطابق تھا اسلئے یہ ریکارڈ بھی مکی معلوم ہوتا ہے۔ (مقابلہ کیجئے برہان مئی/۲۶۹)

۱۱ - غزوۂ بنو سلیم : ابن اسحٰق کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مہم کا تعلق شوال ۲ سنہ سے تھا مگر واقدی نے اس کی تاریخ محرم ۳ سنہ بیان کی ہے، دو تقویمی نظریے سے یہ تضاد کلیتہً دُور ہو جاتا ہے۔

۱۲ - قتلِ ابو عفک : اس واقعے کی تفصیلات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ شدید موسم گرما کا تھا، مکی جدول تقویم کی رو سے شوال ۲ سنہ جون سے مطابق ہے؛ اس لئے یہ مکی ریکارڈ معلوم ہوتا ہے۔ (مقابلہ کیجئے برہان مئی/۲۷۴)

۱۳ - سریۂ غالب بن عبداللہ : اس واقعے کی تاریخ پر غزوۂ بنو سلیم کے ساتھ اصل کتاب میں پوری بحث کی گئی ہے،

۱۴ - غزوۂ بنو قینقاع : اس غزوے کی تاریخ واقدی نے ہفتہ نصف شوال بیان کی ہے، مکی تقویم کے بموجب ۱۴ر یا ۱۵ر شوال کو ہفتے ہی کا دن پڑتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مکی ریکارڈ تھا، ابن حبیب نے اس کی تاریخ یکشنبہ، ر صفر ۳ سنہ بیان کی ہے جو غالباً یہودیوں کی جلاوطنی کی تاریخ ہے، یہ تاریخ مدنی معلوم ہوتی ہے، اس واقعے پر بھی دو تقویمی کارفرمائی کا اثر محسوس ہوتا ہے۔

۱۵- **نکاحِ حضرت فاطمہؓ** : طبری نے اس کی تاریخ آخر صفر بیان کی ہے جو غالباً مدنی روایت ہے، علمائے شیعہ یکم ذوالحجہ پر متفق ہیں جو مکی ریکارڈ معلوم ہوتا ہے، جدولِ تطبیق کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابتداء ذوالحجہ مکی، آخر صفر مدنی سے متصل تھی۔

۱۶- **غزوۂ سویق** : اس واقعہ کا مہینہ ابن اسحٰق، اور واقدی کے درمیان متفق علیہ ہے، مگر واقدی نے اس کی تاریخ یکشنبہ ۷ر ذوالحجہ بیان کی ہے، جو مکی حساب پر قطعاً درست اترتی ہے،

۱۷- **قتلِ کعب بن اشرف** : اس کا ریکارڈ مدنی معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ مکی ربیع الاول ۳ھ موسمِ سرما میں آیا تھا،

۱۸- **غزوۂ ذوامر** : اس واقعے کی توقیت پر بھی دو تقویمی کارفرمائی کا اثر واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔ کیوں کہ ابن اسحٰق کی صراحت سے اس کی تاریخ آخر ذوالحجہ ۲ھ ثابت ہوتی ہے، جبکہ واقدی کے نزدیک یہ ربیع الاول ۳ھ کا واقعہ تھا۔ جدول سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۲ھ میں ذوالحجہ اور ربیع الاول متبادل مہینے تھے۔

۲ھ، ۳ھ

	مکی	جولین	مدنی ہجری	
۱۰ر محرم ۲ھ یومِ عاشورا	محرم	۲۰ر اکتوبر ۶۲۳ء یکشنبہ	ربیع ۲	
غزوۂ ابواء پہلا غزوہ بروایت ابن اسحٰق و واقدی وغیرہ	صفر	۳۱ر اکتوبر دوشنبہ	جمادیٰ ۱	غزوۂ ذات العشیرہ پہلا غزوہ بروایت بخاری (زید بن ارقم)
غزوۂ طلب کرز بن جابر فہری بروایت واقدی، و ابن سعد	ربیع ۱	۳۰ر نومبر چہارشنبہ	جمادیٰ ۲	غزوۂ طلب کرز بن جابر فہری، بروایت ابن اسحٰق، بروایت ابن حبیب ۱۲ر جمادی الاخریٰ ۲ھ
غزوۂ بواط - واپسی دوشنبہ ۲۰ر ربیع الآخر، ابن حبیب	ربیع ۲	۲۹ر دسمبر پنجشنبہ	رجب	×
تحویلِ قبلہ بروایتِ زہری	جمادیٰ ۱	۲۸ر جنوری ۶۲۴ء شنبہ	شعبان	تحویلِ قبلہ - (عام روایت)

	مدنی ہجری	جولین	مکی	
	رمضان	۲۶ر فروری یکشنبہ	جمادیٰ ۲	×
	شوال	۲۷ر مارچ سہ شنبہ	رجب	سریۂ عبداللہ بن جحش
	ذلقعدہ	۲۵ر اپریل چہار شنبہ	شعبان	غزوہ ینبع پنجشنبہ ۲ر شعبان ۲ھ (ابن حبیب) بنوغفار اور اسلم سے معاہدہ سہ شنبہ ۱۴ر شعبان ۲ھ
	ذوالحجہ	۲۵ر مئی جمعہ	رمضان	غزوۂ بدر جمعہ ۱۶ر رمضان ۲ھ بروایت عامر بن ربیعہ وعروہ بن زبیر۔
۱- غزوۂ بنو سلیم، بروایت واقدی وابن سعد	محرم ۳ھ	۲۴ر جون یکشنبہ	شوال	۱- غزوۂ بنوسلیم، بروایت ابن اسحٰق، ۲- قتل ابوعفک، بروایت واقدی، ۳- سریۂ غالب بن عبداللہ بروایت ابن حبیب، ۴- غزوۂ بنوقینقاع (بروایت واقدی) ۱۴ر شوال ہفتہ
۱- غزوۂ بنوقینقاع بروایت ابن حبیب یکشنبہ ۷ر صفر- ۲- نکاح حضرت فاطمہ بروایت طبری	صفر	۲۴ر جولائی سہ شنبہ	ذلقعدہ	×
۱- قتل کعب بن اشرف ۱۴ر ربیع الاول بروایت واقدی ۲- غزوہ ذوامر بروایت واقدی-	ربیع ۱	۲۲ر اگست چہار شنبہ	ذوالحجہ	۱- نکاح حضرت فاطمہ، ۲- غزوۂ سویق یکشنبہ ۵ر ذوالحجہ (ابن اسحٰق واقدی) ۳- غزوۂ ذوامر بروایت ابن اسحٰق

نوٹ:- ۶ر جون ۶۲۴ء کو چہار شنبے کے دن چاند گرہن ہوا تھا، یعنی سہ شنبے کی چودس اور چہار شنبے کی پورن ماشی تھی۔

غزوۂ ذات العشیرہ

غزوۂ ابوا، ودّان

جمادی الاولیٰ = صفر ۲ھ مطابق اکتوبر ۶۲۳ء

تقریباً تمام اہلِ سیر کا اتفاق ہے کہ سب سے پہلی مہم جس میں پیغمبرِ اسلام بنفسِ نفیس شریک تھے، غزوۂ ابوا ہے[1] جس کو "غزوۂ ودّان" بھی کہتے ہیں، متقدمین میں ابن اسحٰق، واقدی، ابن ہشام، ابن سعد، ابن حبیب اور طبری وغیرہ نے اور اس کے بعد جملہ متاخرین نے سلسلۂ غزوات کی ابتداء اسی غزوے سے کی ہے۔

اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ غزوۂ ابوا صفر ۲ھ کا واقعہ ہے[2]۔ بلکہ شرح مواہب میں تو یہاں تک ہے،

[1] دیکھئے ابن ہشام ۲/۲۴۱، واقدی/۲، ۷ - ابن سعد ۲/۳ - طبری ۲/۲۶۱ - مقدسی ۴/۱۸۲ - مسعودی التنبیہ/۲۳۵ -
[2] واقدی/۲ - ابن سعد ۲/۳، ابن ہشام ۲/۲۴۰ - قسطلانی/۹۸ -

کہ اسی صفر میں خدا نے جہاد کی اجازت دی تھی۔[۱]

علمائے سیرت کے اس متفقہ خیال کا مقابلہ بخاری کی کتاب "المغازی" سے کیا جائے تو ایک تناقض نظر آتا ہے، اس لئے کہ امام بخاری نے سلسلۂ غزوات کی ابتدا، غزوۂ عشیرہ سے کی ہے۔ اور دلیل میں زید بن ارقمؓ کی یہ روایت پیش کی ہے:

"زید بن ارقم سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہؐ نے کتنی لڑائیاں لڑیں؟ تو انھوں نے جواب دیا۔ انیس[۱۹]، ان سے پوچھا گیا کہ تم کتنی لڑائیوں میں شریک تھے؟ فرمایا سترہ[۱۷] میں، پھر اُن سے کہا گیا کہ سب سے پہلا غزوہ کون سا ہے؟ تو فرمایا "عُسیرہ یا عُشیرہ"[۲]

اگر یہ صحیح ہے کہ رسول اللہؐ کو "صفر" ہی میں جہاد کی اجازت دی گئی تھی، اور اسی مہینے آپؐ قریش کے کاروانی شاہراہ کی ناکہ بندی اور پڑوسی قبائل سے خیر سگالی کے معاہدے کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے تھے (جو مدینے کی معاشی ضروریات کے لئے بے حد ضروری تھے) تو غزوۂ ذات العشیرہ اسی صفر ۲ھ میں ہونا چاہئے، اس لئے کہ حضرت زید کی شہادت ایسے شخص کی شہادت ہے جو منجملہ ۱۹ کے ۱۷ مہموں[۳] میں رسول اللہؐ کے رفیقِ کار اور ساتھی رہ چکے تھے۔

اس کے مقابلے میں ابن اسحٰق اور واقدی وغیرہ کا اس پر اتفاق ہے، کہ یہ واقعہ (یعنی غزوۂ عُشیرہ) صفر ۲ھ کا نہیں؛ بلکہ جمادی الاولیٰ ۲ھ کا ہے،[۴] اس طرح عام طور پر یہ مہم غزوۂ "ابوا" سے دو ڈھائی مہینے بعد کی تسلیم کی جاتی ہے۔

محدثین اور سیرت نگاروں کے اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ دونوں روایتیں بظاہر مشکوک ہو جاتی ہیں، اور کبھی ہم بخاری اور زید بن ارقم پر جرح کرنے لگتے ہیں، اور کبھی سیرت نگاروں پر، لیکن واقعاتی طور پر جانچ کیجئے، تو یہ صرف ایک تقویمی فریب ثابت ہوتا ہے، جس میں سیرت نگار اور مورخ عرصہ دراز سے مبتلا ہیں۔

۲ھ کی دو تقویمی جدولوں پر نظر ڈالئے تو مکی "صفر" کے مقابلے میں مدنی جمادی الاولیٰ نظر آئے گا، جس کے

---

[۱] شرح مواہب ۱/۳۶۶، [۲] بخاری کتاب المغازی، اس روایت کو واقدی اور طبری وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے، دیکھئے واقدی ۱/-، طبری واقعات ۲ھ۔ [۳] پیغمبر اسلام کے غزوات کی تعداد مختلف مصنفین نے مختلف بیان کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ بعض نے بعوث اور سرایا کو بھی غزوات میں شامل کر لیا ہے، بعض نے ایسا نہیں کیا۔ [۴] دیکھئے ابن ہشام ۲/۲۴۹، واقدی ۱/۳۔ ابن سعد ۲/۴، طبری ۲/۲۶۰، ابن حبیب ۱۱۱، البدایہ ۳/۳۴۶، عیون الآثار ۲۲۶

یہ معنی ہیں کہ سنہ ۲ھ میں یہ دونوں مہینے ایک ساتھ چل رہے تھے، مکی تقویم کے بموجب اُسی مہینے کا نام "صفر" تھا جو عام قمری اعتبار سے جمادی الاولیٰ کہلاتا تھا، اس طرح دونوں واقعے ایک ہی ماہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

سیرت نگاروں نے "غزوۂ ابوا" کو محض اس لئے مقدم قرار دیا کہ روایات کے بموجب یہ واقعہ "صفر" نام کے مہینے کا تھا، جو جمادیٰ" سے پہلے آتا ہے، اس کے مقابلے میں ذات العشیرہ کو تیسرا غزوہ صرف اس لئے تسلیم کیا گیا، کہ ازروئے روایات یہ "جمادی الاولیٰ" کا واقعہ تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ پیغمبر اسلامؐ مدینے کے قرب وجوار کی بستیوں سے معاہدہ کے لئے نکلے، تو آپ پہلے ذات العشیرہ پہنچے، جہاں "بنو ضمرہ" اور "بنو مدلج" سے گفتگو ہوئی، اور معاہدے کی شرطیں طے پائیں، لیکن "بنو ضمرہ" کے اصلی مساکن "ابوا" یا "وَدّان" میں تھے، چنانچہ آپ وہاں بھی تشریف لے گئے، اور غالباً "بنو ضمرہ" کے ساتھ معاہدے کی آخری توثیق وہیں ہوئی۔ "بنو ضمرہ" کا سردار اُس زمانے میں مخشی بن عمرو تھا[1]۔ ذات العشیرہ کے ذیل میں جو معاہدہ ہوا، اس کے متعلق طبری میں منقول ہے:-

"اور اس میں بنو مدلج اور ان کے خلفاء بنو ضمرہ سے معاہدہ کیا"[2]

گویا ابتدائی معاہدہ بنو مدلج سے ہوا تھا، اور اس کے ذیل میں بنو مدلج کے حلیف بنو ضمرہ سے بھی معاہدہ کیا گیا لیکن "غزوۂ ابوا" کے ذیل میں جو معاہدہ مذکور ہے، اُس میں صرف بنو ضمرہ کا ذکر ہے، بنو مدلج کا نہیں۔

"سو اِس ذیل میں آنحضرتؐ نے "بنو ضمرہ" سے معاہدہ کیا اور جس شخص سے یہ معاہدہ کیا، وہ مخشی بن عمر تھا جو اُس زمانہ میں بنو ضمرہ کا سردار تھا"[3]

ابن حبیب نے بھی صرف بنو ضمرہ کا ذکر کیا ہے، اور بنو مدلج کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔

"سو بنو ضمرہ" سے معاہدہ کیا، اور ان کے لئے ایک تحریر لکھی اور "وَدّان" اور "ابوا" تک تشریف لے گئے۔"[4]

اس کے صاف معنی یہ ہیں، کہ غزوۂ عشیرہ کے فوراً بعد آپ "ابوا" تشریف لے گئے، اس لئے کہ اگر آپؐ ابوا پہلے تشریف لے جاتے اور بنو ضمرہ سے معاہدے کی تکمیل ہو چکی ہوتی، تو پھر غزوۂ عشیرہ میں اس کے اعادہ کی

---

[1] ابن ہشام ۲/۲۴۱، ابن سعد ۲/۳، طبری ۲/۲۵۹ وغیرہ [2] ابن ہشام ۲/۲۴۹، ابن سعد ۲/۵۔ طبری ۲/۲۶۰،
[3] ابن ہشام ۲/۲۴۱ (نیز دیکھئے، ابن سعد ۲/۳، طبری ۲/۲۵۹ وغیرہ) [4] ابن حبیب/۱۱۰۔

ضرورت نہیں تھی، یہاں یہ بات بھی خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے کہ جملہ اہلِ سیر کے نزدیک اِن دونوں مہموں میں فوج کے علمبردار حمزہؓ بن عبدالمطلب تھے[۱]، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک ہی فوج ان دونوں مقامات پر پہنچی تھی، جس کا پہلا ہدف "عشیرہ" تھا، اور دوسرا "ابوا"۔

ذات العُشیرہ کا محلِ وقوع "ینبع" سے قریب ہے، بلکہ سیرت نگار اس کو "بطن ینبع" ہی قرار دیتے ہیں جس کے یہ معنیٰ ہیں کہ یہ فوج "ینبع" ہوتی ہوئی "ابوا" پہنچی تھی،

ابن اسحٰق کی روایت کے بموجب "عشیرہ" سے واپسی کی تاریخ ابتدائی جمادی الاُخریٰ ۲ھ ہے۔

"تو وہاں جمادی الاولیٰ اور کچھ راتیں جمادی الاخریٰ تک قیام فرمایا، اس کے بعد مدینے تشریف لائے"[۲]

مگر یہ تاریخ "عُشیرہ" سے مدینے پہنچ جانے کی معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ اس سے کچھ ہی دن بعد ۱۲ جمادی الاخریٰ کو غزوۂ کرز بن جابر فہری پیش آیا تھا۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے۔

"اور آنحضرتؐ نے "غزوۂ عشیرہ" سے واپسی پر مدینے میں بہت تھوڑی راتیں قیام فرمایا تھا، جن کی تعداد دس تک نہیں پہنچتی، کہ کرز بن جابر فہری نے مدینے کی چراگاہ پر چھاپا مارا"[۳]

اور بقول ابن حبیب کرز کے حملے کی تاریخ ۱۲ جمادی الاُخریٰ ہے[۴]۔ اس لئے آنحضرت کو "عشیرہ" سے جمادی الاخریٰ کے ابتدائی ہفتے میں مدینے پہنچ جانا چاہئے۔

ابن سعد کے بیان کے بموجب غزوہ "ذات العشیرہ" کا مقصد ابوسفیان کے اس تجارتی کارواں پر چھاپہ مارنا تھا، جو مکے سے شام کو مالِ تجارت لئے جا رہا تھا، اور یہ وہی قافلہ تھا جس کی واپسی پر رمضان ۲ھ میں بدر کی مشہور لڑائی ہوئی تھی[۵]۔ مگر سیرۃ کی سب سے بڑی سند عروہ بن زبیر کی شہادت اس کے خلاف ہے[۶]۔ عروہ کہتے ہیں کہ ابوسفیان کا قافلہ مکے سے اس وقت روانہ ہوا تھا جب سریۂ عبداللہ بن جحش میں ابن حضرمی قتل ہو چکا تھا۔ اور مسلمان قریش کا قافلہ لوٹ چکے تھے، یہ واقعہ رجب ۲ھ کا ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ عشیرہ کا تعلق ابوسفیان کے قافلے کی دیکھ بھال سے نہ تھا۔ (باقی)

---

[۱] طبری ۲/۲۶۱۔ [۲] ابن ہشام ۲/۲۴۹، [۳] ابن ہشام ۲/۲۵۱، [۴] ابن حبیب/۱۱۱،
[۵] ابن سعد ۲/ [۶] طبری ۲/۲۶۷۔